ز

ز ب د

اَلزَّبَدُ ۔ پانی وغیرہ کے اوپر آجانے والے جھاگ *۔قرآن کریم میں ہے زَبَدًا رَّابِیًا (۱۳/۱۷)۔ اوپر آئے ہوئے جھاگ ۔ اَلزُّبْدُ ۔ مسکہ جس سے گھی بنایا جاتا ہے ۔ تَزَبَّدَہٗ ۔ اس نے اس کا خلاصہ لے لیا*۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنے ایک چیز سے دوسری چیز پیدا ہونے کے ہیں ۔راغب نے لکھا ہے کہ بطور استعارہ زَبَدٌ کثیر شے کے لئے بولا جاتا ہے ۔

ز ب ر

اَلزَّبْرُ ۔ لکھنا ۔ اَلتَّزْبِیْرَۃُ ۔ لکھائی یا تحریر۔مِزْبَرٌ ۔ قلم ۔ اَلزَّبُوْرُ ۔ بمعنے مَزْبُوْرٌ۔یعنی لکھی ہوئی چیز ۔ کتاب *۔اسکی جمع زُبُرٌ ہے ۔

سورۃ نحل میں ہے کہ رسولوں کو اَلْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ دیکر بھیجا گیا (۱۶/۴۴) نیز (۲۶/۱۹۶)۔ یہاں زُبُرٌ کے معنے کتابیں ہیں ۔ دوسرے مقامات پر بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْکِتٰبِ الْمُنِیْرِ (۳/۱۸۳؛ ۳۵/۲۵) آیا ہے ۔ یہاں زُبُرٌ کی تفسیر کتاب منیر سے کی گئی ہے ۔ سورۃ انبیاء میں ہے وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّکْرِ (۲۱/۱۰۵)۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں زَبُوْرٌ سے مراد حضرت داؤدؑ کی کتاب ہے اور ذِکْرٌ سے مراد تورات ہے ۔ لیکن سعید بن جبیر کا قول ہے کہ زَبُوْرٌ ، تورات ۔ انجیل ۔ قرآن کریم ۔ ہر ایک کتاب الٰہی کو کہتے ہیں *۔ اسکی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ سورۃ نساء میں ہے وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا (۴/۱۶۳) اگر زبور سے مراد وہ خاص کتاب ہوتی جو حضرت داؤدؑ کو دی گئی تھی تو

---

* تاج ۔

زَبُوْرًا (ایک کتاب) نکرہ نہ ہوتا بلکہ القرآن اور الانجیل کی طرح الزبور ہوتا۔ راغب نے لکھا ہے کہ ہر وہ کتاب جس کی کتابت بڑی موٹی ہو زَبُوْرٌ کہلاتی ہے**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) لکھنا پڑھنا اور (۲) کسی چیز کو محکم اور مضبوط کرنا ہیں۔ اَلزُّبْرَۃُ۔ لوہے کا بڑا ٹکڑا*۔ اسکی جمع زُبَرٌ اور زُبْرٌ آتی ہے۔ (۹۶/۱۸)۔ اسی سے اسکے معنی فرقے۔ الگ الگ گروہ، کے آتے ہیں۔ (۵۳/۲۳)۔

(چونکہ زُبُرٌ۔ زَبُوْرٌ کی بھی جمع ہے اس لئے (۵۳/۲۳) میں اس کے معنی الگ الگ کتابیں بھی ہو سکتے ہیں)۔

ز ب ن

اَلزَّبْنُ۔ دھکا دینا۔ دفع کرنا۔ کسی چیز کو کسی چیز سے دور کر دینا اور ہٹا دینا۔ اَلزَّبِنُ۔ سخت دھکا دینے والا۔ نَاقَۃٌ زَبُوْنٌ۔ وہ اونٹنی جو دودھ دوھنے والے کو لات مار دے اور دھکا دیدے۔ حَرْبٌ زَبُوْنٌ۔ شدید جنگ جس میں سخت ٹکراؤ ہو*۔ لڑائی کو اسکی صعوبتوں کی وجہ سے زَبُوْنٌ کہتے ہیں***۔ اَلزِّبْنِیَۃُ۔ ہر متمرد آدمی۔ سخت آدمی۔ سپاہی۔ اسکی جمع زَبَانِیَۃٌ آتی ہے*۔ (۱۸/۹۶)۔ وہ مجاہدین جو حق کی مدافعت کے لئے میدان میں نکلیں۔

ز ج ج

اَلزَّجُّ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے باریک ہونے کے ہیں۔ نیزہ کی پچھلی طرف لگا ہوا لوہا۔ نیز کہنی کا نوکیلا سرا۔ اَلزُّجَاجُ۔ کانچ اور شیشے اور ان سے بنی ہوئی چیزوں کو کہتے ہیں۔ واحد زُجَاجَۃٌ ہے****۔ قرآن کریم میں چراغ کے متعلق ہے فِیْ زُجَاجَۃٍ (۳۵/۲۴)۔ اس سے مراد ہے شیشے کی چمنی یا فانوس۔

جب پیالہ بھرا ہوا ہو تو اسے کَاْسٌ کہتے ہیں اور جب خالی ہو تو زُجَاجَۃٌ کہلاتا ہے*****۔

ز ج ر

زَجَرَہٗ۔ یَزْجُرُہٗ۔ زَجْرًا نیز اِزْدَجَرَہٗ۔ اسنے اسکو روکا اور منع کیا اور جھڑکا۔ دراصل اسکے معنی آواز کے ساتھ کسی کو ہانکدینا اور

---

* تاج۔ ** راغب۔ *** کتاب الاشتقاق۔ **** تاج و راغب۔
***** لطائف اللغۃ نیز فقہ اللغۃ۔ (للثعالبی)۔

دھتکارنا ھیں۔ زَجَرَ الْبَعِیْرَ ۔ اسنے اونٹ کو ڈانٹ کر ھانکا۔ اَلزَّجُوْرُ ۔ وہ اونٹنی جو بلا ڈانٹ کھائے دودھ نہ دیتی ھو* ۔ اس لئے اس لفظ میں ڈانٹنے اور جھڑکنے کا پہلو ھوتا ھے۔

قرآن کریم میں ھے فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا (۳۷/۲) ۔ اس سے مراد وہ جماعت مجاھدین ھے جو سرکش اور مستبد قوتوں کو ان کی دست درازیوں سے ڈانٹ کر روکتی ھے۔ اسی سورۃ میں ذرا آگے چل کر ھے فَاِنَّمَا ھِیَ زَجْرَۃٌ وَّاحِدَۃٌ (۳۷/۱۹) "وہ صرف ایک ھی ڈانٹ ھوگی" ۔ سورۃ القمر میں ھے مَافِیْہِ مُزْدَجَرٌ (۵۴/۴) ۔ جس میں ایسی باتیں ھیں جو مفاسد سے روکتی ھیں ۔ اس سے ذرا آگے ھے مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ (۵۴/۹)۔ انھوں نے اسے مجنون قرار دیا اور ڈانٹ کر نکال دیا ۔ مفاد پرست گروہ اپنی قوت اور اقتدار کے نشہ میں ھر داعی الی الحق کے ساتھ اسی قسم کا برتاؤ کرتے ھیں ۔

ز ج و

زَجَاہُ ۔ یَزْجُوْہُ ۔ زَجْوًا ۔ وَاَزْجٰی اِزْجَاءً ۔ کسی چیز کو نرمی اور آھستگی سے ھانکنا۔ نرمی سے چلانا** ۔ قرآن کریم میں ھے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُزْجِیْ سَحَابًا (۲۴/۴۳) ۔ کیا تم اس پر غور نہیں کرتے کہ اللہ بادلوں کو آھستگی اور سہولت سے چلاتا ھے ۔ زَجَا الْاَمْرُ ۔ معاملہ آسان اور سیدھا ھو گیا۔ اَلْمُزْجٰی ۔ قلیل چیز** ۔

بِضَاعَۃٌ مُّزْجٰۃٌ (۱۲/۸۸) ۔ قلیل سرمایہ ۔ تھوڑی سی پونجی** ۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز کو بغیر کسی روک ٹوک کے پھینکنا اور چلا دینا ھیں ۔ یعنی جسے آسانی سے نکالا اور روانہ کر دیا جائے ۔ بِضَاعَۃٌ مُّزْجٰۃٌ سے مراد ھوگی ایسی پونجی جسے آسانی سے نکال کر دیا جاسکے ۔

ز ح ز ح

زَحْزَحَہٗ عَنْہُ کے معنی ھیں اسے اس سے دور کر دیا ، ھٹا دیا ، ایک طرف کر دیا ۔ ھُوَ بِزَحْزَحٍ مِنْہُ ۔ وہ اس سے دوری پر ھے ۔ اَلزَّحْزَاحُ دور۔ بعید۔*** ابن فارس نے کہا ھے کہ یہ اس کے بنیادی معنی ھیں ۔

*تاج و راغب و محیط ۔ **تاج و راغب ۔***تاج

قرآن کریم میں ہے وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهِ مِنَ الْعَذَابِ (۲/۹۶) وہ (طولِ عمر) اس کو عذاب سے دور نہیں رکھ سکتا۔ سورۃ آل عمران میں ہے فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ (۳/۱۸۴) - جو تباہیوں سے دور رکھا گیا۔

ز ح ف

زَحَفَ اِلَيْهِ زَحْفًا - اس کی طرف آگے بڑھا* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی آگے کی طرف بڑھتے چلے آنا ہیں - اصل میں زَحْفٌ بچے کے کولھے کے بل گھسٹ کر چلنے کو کہتے ہیں*۔ گھٹنوں کے بل چلنے کے لئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے**۔ زَحَفَ الْبَعِيْرُ - اونٹ تھکن کی وجہ سے اپنے پاؤں کو گھسیٹ گھسیٹ کر چلنے لگا* - اَلزَّحَّافَةُ - وہ حیوانات جو زمین پر گھسٹ کر چلتے ہوں - جیسے کچھوا وغیرہ** - پھر زَحَفَ فوجوں کے چلنے کے لئے بولا جانے لگا کیونکہ وہ کثرت و گرانباری کی وجہ سے آہستہ گھسٹ گھسٹ کر آگے بڑھتی ہیں - چنانچہ اَزْحَفَ لَنَا بَنُوْ فُلَانٍ کے معنے ہیں ، فلاں قبیلہ ہم سے لڑنے کے لئے مذکورہ بالا کیفیت سے آیا - تَزَاحَفُوْا فِى الْقِتَالِ - وہ جنگ میں ایک دوسرے کے قریب اور بالمقابل ہوگئے - مَزَاحِفُ الْقَوْمِ - قوم کی لڑائیوں کے مقامات* - اَلزَّحْفُ - جرار لشکر کو بھی کہتے ہیں جو دشمن کی طرف بڑھ رہا ہو۔ سورۃ انفال میں ہے اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا (۸/۱۵) - جب تمہارا کفار کے ساتھ آمنا سامنا ہو درآنحالیکہ وہ تمہاری طرف بڑھ رہے ہوں۔

ز خ ر ف

اَلزُّخْرُفُ - سونا (جسکے زیورات بنتے ہیں) - یہ اس کے اصلی معنے ہیں - اس کے بعد زیبائش ، زینت و آرائش کو بھی زُخْرُفٌ کہنے لگ گئے۔ اور پھر بطور تشبیہ ہر ملمع کی ہوئی جھوٹی بات کو***۔ محیط نے سونا یا زینت دونوں میں سے ایک کے اصلی معنی ہونے میں شک کیا ہے** - زُخْرُفٌ کے معنے کسی چیز کے حسن کا کمال بھی ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں زُخْرُفَ الْقَوْلِ (۶/۱۱۳) آیا ہے ، جس کے معنے ملمع کی ہوئی باتیں ہیں - اور حَتّٰى اِذَا اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا (۱۰/۲۴) میں اس کے معنے سنگھار اور آرائش کے ہیں - سورۃ زخرف میں زُخْرُفًا (۴۳/۳۵) کے معنے سامانِ آرائش ہیں یا خود آرائش و نقش و نگار۔ راغب نے زُخْرُفٌ کے معنے مصنوعی زینت کئے ہیں****۔

*تاج - **محیط - ***تاج و محیط - ****راغب -

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی زینت کے ہیں اور سونے کو بھی کہا جاتا ہے۔ راغب نے بھی اس کی تائید کی ہے۔

ز ر ب

اَلزَّرْبُ۔ داخل ہونے کا راستہ۔ بکریوں وغیرہ کے لئے لکڑیوں کا باڑہ۔ اَلزَّرَابِیُّ۔ (واحد زُرْبِیٌّ یا زَرْبِیَّةٌ ہے) گدے۔ بچھونے۔ ہر وہ چیز جس پر ٹیک لگائی جائے۔ فراء نے کہا ہے کہ زَرَابِیُّ۔ روئیں دار غالیچوں کو کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ معنے اَلزَّرَابِیُّ مِنَ النَّبْتِ۔ سے تشبیہ کے باعث پیدا ہوگئے ہوں جو ایسے زرد سرخ پودوں کو کہتے ہیں جن میں سبزی ہو*۔ اَلزُّرْبِیَّةُ۔ عمدہ بچھونا یا قالین**۔ قرآن کریم میں زَرَابِیُّ مَبْثُوْثَةٌ آیا ہے (۸۸/۱۶)۔ اعلیٰ درجے کے بچھائے ہوئے فروش۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ زَرْبٌ کے بنیادی معنوں میں راحت کدہ یا آرامگاہ کا تصور مضمر ہے۔

ز ر ع

زَرَعَ۔ يَزْرَعُ۔ زَرْعًا وَ زِرَاعَةً۔ زمین میں بیج ڈالنا۔ اَلزَّرْعُ اُگانا*۔ ابن فارس نے خلیل کے حوالہ سے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی نشو و نما دینے اور بڑھانے کے ہیں۔ لہٰذا، جیسا کہ ذرا آگے چل کر معلوم ہوگا، اس کے معنے بیج ڈالنے کے نہیں بلکہ کھیتی اُگانے کے ہونگے۔ انسان زمین کو تیار کرکے اس میں تخم ریزی کرتا ہے اور مناسب احتیاطیں برتتا ہے لیکن دانے میں سے کونپل پھوٹنا اور اس کا پودا اور پیڑ بن جانا، یہ سب کچھ خدا کے قانونِ ربوبیت کے ماتحت ہوتا ہے جس میں انسان کے کسب و ہنر کو کوئی دخل نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ (۵۶/۶۴)۔ ”کیا کھیتی کو تم اُگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں!“ تم صرف حَرْثٌ کرتے ہو (۵۶/۶۳)۔ یعنے تم صرف کھیتی بوتے ہو۔ اُگاتے ہم ہیں۔ لہٰذا تم ساری کی ساری فصل کے مالک کیسے بن سکتے ہو! تم اپنی محنت کا حصہ لے لو اور ہمارا حصہ ہمیں دے دو۔ یعنے اُن لوگوں کو دے دو جنہیں اس کی ضرورت ہے (۵۶/۷۳)۔

اَلزُّرَّاعُ (۴۸/۲۹)۔ کھیتی کرنے والے۔ باغبان۔ (واحد زَارِعٌ) زَرْعٌ۔ کھیتی۔ بونے سے جو کچھ اُگ آئے*۔ (۱۳/۴ و ۶/۱۴۲)۔

---

*تاج۔ **محیط۔

ز ر ق

اَلـزُّرْقَۃُ ۔ نیلا رنگ ۔ اَلزُّرْقَۃُ : نیلاھٹ ۔ سفیدی ۔ آنکھ کی سیاھی میں سبزی ۔ آنکھ کی سیاھی پر سفیدی کا چھا جانا ۔ زَرِقَ ۔ اس کی آنکھوں کی سیاھی پر سفیدی چڑھی۔ ایسا شخص آزْرَقُ کہلائیگا۔اس کی جمع زُرْقٌ ھے ۔ الـزُّرَقُ ۔ اندھے پن کـو کہتے ھیں ۔ زَرِقَتْ عَیْنُہٗ تـَزْرَقُ ۔ آنکھوں کا نیلا ھو جانا* ۔ قرآن کـریـم میں ھے نَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ زُرْقًا (٢٠/١٠٢) ۔ (زُرْقٌ جمع ھے۔ اس کا واحد آزْرَقُ ھے) ۔ حشر میں ھم مجرمین کو اندھا اٹھائینگے ، ان کی آنکھوں کی سیاھی پر سفیدی چھائی ھوگی ۔ راغب نے بھی لکھا ھے کہ زُرْقًا کے معنے ھیں اندھے ۔ جن کی آنکھوں میں نور نہ رھے** ۔ اس سے آیت کا مفہوم واضح ھو جاتا ھے ۔ بعض اھل لغت کا خیال ھے کہ عربوں کی رومیوں سے قدیم دشمنی تھی اور انکی آنکھیں نیلی تھیں اس لئے ھر مبغوض اور دشمن کو آزْرَقُ الْعَیْنِ کہا جانے لگا،خواہ اس کی آنکھ نیلی نہ ھو*** لیکن ھم اول الذکر توجیہ کـو بہتر تصور کـرتے ھیں،اس لئے کہ اسے قرآنی تائید بھی حاصل ھے۔ چنانچہ اسی سورت میں کچھ آیات کے بعد نَحْشُرُہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَعْمٰی (٢٠/١٢٤) ھے ۔ یعنی "ھـم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائینگے" ۔

ز ر ی

زَرَیٰ عَلَیْہِ عَمَلَہٗ ۔ اس کے کسی کام پر اسے ملامت کـرنا ، برا بھلا کہنا ۔ عتاب کرنا ۔ حقیر جاننا اور اس پر عیب لگانا۔ اِزْدَرَاہُ ۔ اسے حقیر و بے وقعت گردانا ۔ اَلْمُزْدَرِیْ ۔ حقیر جاننے والا**** ۔

قرآن کریم میں ھے تَزْدَرِیْ اَعْیُنُکُمْ (١١/٣١)۔ وہ لوگ جو تمھاری نگاھوں میں حقیر ھیں ۔ (باب افتعال ھے ۔ تاء ، دال سے بدل گئی ھے)

ز ع م

اَلزَّعْمُ ۔ اَلزُّعْمُ ۔ اَلزِّعْمُ ۔ بات ۔ قول۔ جو حق بھی ھو سکتی ھے اور باطل بھی ۔ لیکن اکثر ان باتوں کو کہا جاتا ھے جن کے بارے میں شک کیا جاتا ھو اور وہ متحقق نہ ھوں ۔ لیث نے کہا ھے کہ جب عرب کہتے ھیں ذَکَرَ فُلَانٌ تو یہ ایسے معاملات کے متعلق بات ھوتی ھے جس کی بابت یقین

*تاج ۔ **راغب ۔ ***محیط و کشاف ۔ ****تاج و محیط و راغب ۔

ہو کہ وہ حق ہے ۔ لیکن اگر شک ہو اور اس کا یقین نہ ہو کہ کہنے والے نے سچ کہا ہے یا جھوٹ ، تو ایسی جگہ زَعَمَ فُلاَنٌ کہتے ہیں ۔ اس لحاظ سے بعض نے تو یہاں تک کہدیا ہے کہ زَعْمٌ کے معنے ہی جھوٹ ہیں ۔ اَلتَّزَعُّمُ ۔ جھوٹ گھڑنا ۔ علمائے لغت نے کہا ہے کہ زَعَمُوْا ایسی باتوں کو کہتے ہیں جن کی نہ کوئی سند ہو نہ ثبوت ، بلکہ یونہی زبانی نقل ہوتی چلی آرہی ہوں ، کہ اس نے اس سے کہا اور اس نے اس سے* ۔ اصل میں اس کے معنوں میں ظن اور توقع کا پہلو شامل ہوتا ہے ۔

صاحب محیط نے کہا ہے کہ اَلزَّعْمُ ۔ اکثر ان باتوں کو کہا جاتا ہے جن میں شک ہو یا جن کےجھوٹا ہونے کا عقیدہ دل میں ہو ۔ بعض لوگوں نے قول بلا دلیل کو زَعْمٌ کہا ہے ۔ بعض نے ادعائے علم (یعنی کسی بات کے جاننے کا دعویٰ کرنے) کو کہا ہے ۔ بعض کے نزدیک زعم کا تعلق اعتقاد سے ہے ، خواہ صحیح ہو یا غلط** ۔ راغب نے کہا ہے کہ قرآن کریم میں یہ لفظ ہمیشہ اس موقع پر آیا ہے جہاں کہنے والے کی مذمت مقصود ہو*** ۔

قرآن کریم میں ہے زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ($\frac{64}{7}$)۔ "حقیقت سے انکار کرنے والے خیال کرتے ہیں کہ وہ اٹھائے نہیں جائیں گے" ۔ سورۃ انعام میں ہے بِزَعْمِهِمْ ($\frac{6}{136}$) ۔ اس کے معنے گمانِ باطل کے ہیں ۔ زَعَمَ بِهٖ : اس کی ذمہ داری لی ، ضامن ہوا ۔ اسی سے اَلزَّعِيْمُ ۔ ذمہ دار اور کفیل کو کہتے ہیں ($\frac{12}{72}$ و $\frac{68}{40}$) ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں (۱) بغیر صحت اور یقین کے کوئی بات کہدینا ۔ اور (۲) کسی چیز کا ذمہ دار اور کفیل بن جانا ۔

ز ف ر

زَفَرَ ۔ يَزْفِرُ ۔ زَفِيْرًا ۔ سانس کو کھینچ کر نکالنا* ۔ راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنے ہیں سانس کا بار بار پلٹنا تاآنکہ اس کی وجہ سے سینہ پھول جائے*** ۔ (جیسے سسکیاں بھرنے میں ہوتا ہے) اس کا بیشتر استعمال گدھے کے رینکنے کی ابتدائی آواز پر ہوتا ہے اور اس کے برعکس شہیق اس کی آواز کے آخری حصہ کو کہتے ہیں ، اس لئے کہ زفیر سانس اندر کی طرف

*تاج ۔ **محیط ۔ ***راغب ۔

کھینچنے کو کہتے ہیں اور شَهِيْق سانس کے باہر نکالنے کو*۔ قرآن کریم میں زَفِيْرٌ وَ شَهِيْق (۱۰۶/۱۱) اکٹھا آیا ہے۔ اس کے معنے (آہیں بھرنے، سسکتے اور واویلا کرتے ہوئے) جھنمی چلانے کے ہیں (۱۰۰/۲۱)۔ اَلزَّفِيْرُ۔ آگ کے بھڑکنے کی آواز کو بھی کہتے ہیں''۔ (۱۳/۲۵) ''اور اس کا اطلاق نا گہانی مصیبت کے لئے بھی ہوتا ہے*۔ اَلزِّفْرُ۔ جو بوجھ کمر پر لدا ہوا ہے کہتے ہیں۔ مسافر کا سامانِ سفر۔ مشکیزہ جس میں چرواہا اپنے لئے پانی لے جاتا ہے۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی بوجھ اور آواز دونوں لکھے ہیں۔

ز ف ف

اَلزَّفِيْفُ۔ کے اصلی معنے ہوا کے تیز چلنے کے ہیں۔ نیز شتر مرغ کی وہ تیز رفتار جس میں وہ چلنے کے ساتھ اڑنے کو بھی ملا دیتا ہے**۔ زَفَّ الْبَعِيْرُ۔ اونٹ نے چلنے میں تیزی کی۔ اَلزَّفْزَفُ۔ تیز رفتار شتر مرغ، نیز خوش رفتار اونٹنی۔ اَلزَّفِيْفُ۔ بجلی کی چمک کو بھی کہتے ہیں۔ زَفَّ الْعَرُوْسَ اِلٰى زَوْجِهَا زَفًّا وَ زِفَافًا۔ اس نے دلہن کو شوہر کے پاس پیش کیا*۔ (اس میں پیش کرنے والوں کے شدتِ شوق کا پہلو نمایاں ہے)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہر چیز میں پھرتیلا پن اور تیز خرامی کے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے فَاَقْبَلُوْا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ (۹۴/۳۷)۔ ''وہ اس کی طرف تیزی سے آئے''۔ (اس میں جذبات کی شدت کا پہلو نمایاں ہے)۔

ز ق م

اَلزَّقْمُ۔ لقمہ بنانا۔ نگل لینا۔ اَزْقَمَهُ الشَّيْئَ۔ اس نے اسے کوئی چیز بطور لقمہ دی اور اسے نگلوائی*۔ راغب نے لکھا ہے کہ زَقَمَ اور تَزَقَّمَ سے مراد کسی ناپسندیدہ چیز کو نگلنا ہے** اَلزَّقُّوْمُ۔ ایک جنگلی پودہ کا نام ہے جس میں کڑوی سی تیز بو ہوتی ہے اور اس کے چھوٹے گول پتوں کے کنارے بہت بدھیئت ہوتے ہیں اور تنے میں موٹی موٹی گانٹھیں ہوتی ہیں۔ قرآن کریم نے کہا ہے طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيَاطِيْنِ (۶۵/۳۷)۔ اس کے خوشہ کا خول ایسا ہے جیسے سانپ کا پھن ہو۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ پودا ناگ پھنی تھوہر کا ہوگا۔ لیکن پودا کوئی بھی ہو، قرآن کریم نے جس کیفیت کے لئے تشبیہاً اس لفظ کا استعمال کیا ہے وہ ظاہر ہے۔ ثعلب نے کہا کہ اَلزَّقُّوْمُ ہر اس کھانے کو کہتے ہیں جو زہریلا اور قاتل ہو*۔ اور

*تاج۔ **راغب۔

صاحب محیط نے لکھا ہے* ۔ کہ عوام میں اسے بطور ضرب المثل اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص ایسی چیز کھا لے یا کوئی ایسا کام کرے جو اس کے لئے وبال جان بن جائے ۔ قرآن کریم نے کہا ہے کہ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِیْ اَصْلِ الْجَحِیْمِ (۳۷/۶۴) ۔ وہ ایک ایسا درخت ہے جو جہنم (جحیم) کی جڑوں میں اگتا ہے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس سے مراد کوئی سچ مچ کا درخت نہیں، کیونکہ جہنم کی جڑ میں کونسا درخت اُگ سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس سے مراد اس قسم کا رزق ہے جس سے انسانیت جل کر راکھ ہو جائے ۔ اس کے خوشے بڑے بڑے سرکش و مستبد لوگوں (شیاطین) کے سروں جیسے ہونگے ۔ یعنی ظلم و استبداد سے حاصل کردہ رزق ۔ اسی کو شَجَرَةٌ مَلْعُوْنَةٌ بھی کہا گیا ہے (۱۷/۶۰) اور طَعَامُ الْاَثِیْمِ بھی (۴۴/۴۴) ۔ یعنی ایسا رزق جس سے انسان کی قوتیں مضمحل اور صلاحیتیں افسردہ ہوجائیں اور وہ زندگی کی صحیح خوشگواریوں سے محروم رہ جائے ۔ یہ ان لوگوں کا رزق ہے جو اپنے آپ کو (بزعم خویش) بڑا صاحب عزت و تکریم سمجھتے ہیں (۴۴/۴۹) ۔ یعنی مُتْرَفِیْنَ کا طبقہ (۵۶/۴۵) جو دوسروں کی کمائی پر عیش و عشرت اور حکومت کرنے کے خوگر ہوں ۔ اس رزق سے پیٹ تو ضرور بھر جاتا ہے (۳۷/۶۶) لیکن انسانیت نشو و نما نہیں پاسکتی (۳۷/۶۸) ۔

سورۃ بنی اسرائیل میں جو اَلشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ (۱۷/۶۰) آیا ہے اور جس کا حوالہ ہم نے اوپر دیا ، ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد وہ شَجَرَةٍ خَبِیْثَةٍ ہو جس کا ذکر (۱۴/۲۶) میں آیا ہے ۔ یعنی باطل نظریۂ حیات ۔ بہر حال یہ تمام بیانات تشبیہی ہیں ۔

زکریا علیہ السلام

قرآن کریم نے انبیائے بنی اسرائیل کے ضمن میں حضرت زکریا[۴] کا نام بھی لیا ہے (۶/۸۵) ۔ ان کے متعلق سورۃ آل عمران (۳/۳۷-۴۰) ۔ سورۃ مریم (۱۹/۲-۱۵) اور سورۃ انبیاء (۲۱/۸۹-۹۰) میں مذکور ہے کہ وہ خود عمر رسیدہ تھے اور ان کی بیوی عقیم ۔ لیکن ان کی بیوی میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت بیدار کر دی گئی (۲۱/۹۰) اور ان کے ہاں حضرت یحییٰ[۴] پیدا ہوئے ۔ حضرت مریم[۴] کو انہی کی کفالت میں دیا گیا تھا (۳/۳۷) ۔

لوقا کی انجیل میں ہے کہ "یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس کے زمانہ میں ابیّاہ کے قبیلہ میں زکریا نام ایک کاہن تھا اور اس کی بیوی ہارون کی اولاد میں

*محیط ۔

سے تھی اور اس کا نام الیشبع تھا ۔ ان کے ہاں اولاد نہیں تھی کیونکہ الیشبع بانجھ تھی"۔

تورات (عہد نامہ قدیم) میں ذکرباہ نام کے ایک نبی کا ذکر آیا ہے ۔ اسرائیلیوں کے ہاں ہیکل کے ایک بہت بڑے منصب دار کو نبی کہتے تھے جس کا ترجمہ کاہن کیا جاتا ہے ۔ لیکن قرآن کریم کی رو سے نبی کا تصور اس سے بالکل مختلف ہے ۔ حضرت زکریا ؑ کو قرآن کریم نے زمرۂ انبیاء کرام میں شمار کیا ہے ۔

ز ک و

زَکَا الْمَالُ وَالزَّرْعُ ۔ یَزْکُوْ ۔ زُکُوًّا وَاَزْکیٰ ۔ جانوروں کا اور کھیتی کا پھلنا ۔ پھولنا ۔ بڑھنا ۔ نشو و نما پانا ۔ اَزْکیٰ اللهُ الْمَالَ وَزَکَّاہُ ۔ خدا نے مال کو نشو و نما دی ۔ بڑھایا ۔ زَکَا الرَّجُلُ یَزْکُوْ ۔ آدمی آسودہ اور خوش حال ہو گیا ۔ اسکی صلاحیتوں میں نشو و نما آگئی ۔ اسکی زندگی سرسبز و شاداب ہو گئی *۔

لہذا زَکَا کے بنیادی معنے نشو و نما پانا ۔ بڑھنا ۔ پھولنا ۔ پھلنا ہیں ۔ راغب نے اس کے یہ معنے لکھکر اسکی مثال میں قرآن کریم کی یہ آیت درج کی ہے ۔ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَا اَزْکیٰ طَعَامًا (۱۸/۱۹) یہ دیکھو کہ کونسا کھانا ایسا ہے جو حلال اور خوش انجام ہے ، یعنی جس میں نشو و نما دینے کی زیادہ صلاحیت ہے، جو زیادہ (Nutritious) ہے ۔

اَلزَّکٰوۃُ کے معنے ہیں نشو و نما ۔ بالیدگی ۔ پھولنا ۔ پھلنا *۔ اسکے معنے پاکیزگی کے بھی آتے ہیں ۔ غالباً اسلئے کہ درختوں کی نشو و نما کے لئے ان کی شاخ تراشی کی ضرورت ہوتی ہے ۔ لیکن یہ اسکے بنیادی معنی نہیں ۔ خود قرآن کریم میں (ایک ہی آیت میں) اَزْکیٰ اور اَطْهَرُ کے الفاظ الگ الگ آئے ہیں ۔ اَزْکیٰ لَکُمْ وَاَطْهَرُ (۲/۲۳۲) ۔ اس میں اَطْهَرُ تو پاکیزگی کے لئے ہے اور اَزْکیٰ نشو و نما کے لئے ۔ پاکیزگی (طہارت) ایک سلبی صفت (Negative Virtue) ہے ۔ بمعنے نقائص اور خرابیوں سے دور رہنا ۔ لیکن زَکٰوۃ ایجابی صفت (Positive Virtue) ہے ۔ بمعنے بڑھنا ۔ پھولنا پھلنا ۔ نشو و نما اور بالیدگی حاصل کرنا ۔ صاحب محیط نے بیضاوی کے حوالہ سے اَلزَّکِیُّ کے معنے لکھے ہیں خیر و خوبی کے ساتھ بڑھنے والا ۔ عمدہ

* تاج نیز ابن قتیبہ (القرطین ج/۱ صفحہ ۶۲)

صلاحیتوں کے ساتھ ایک عمر سے دوسری عمر تک ترقی کرنے والا ۔ یعنے اس میں بالیدگی اور ارتقا کا پہلو مضمر ہوتا ہے ۔ اَرْضٌ زَكِيَّةٌ کے معنے ہیں سر سبز زمین جس میں خوب نشوونما ہو ۔ اَزْكىٰ کے معنے ہیں اَنْفَعُ ۔ زیادہ منفعت بخش **۔ اسی اعتبار سے زَكَا اس عدد کو کہتے ہیں جو زوج (جوڑا) ہو **۔

سورۃ کہف میں ہے کہ خدا انہیں ایسا بیٹا دیگا جو انکے پہلے بیٹے کے مقابلہ میں زیادہ صلاحیتوں کا حامل ہوگا ۔ خَيْرًا مِنْهُ زَكٰوةً (۱۸/۸۱) ۔ نَفْسًا زَكِيَّةً (۱۸/۷۴) کے معنے ہیں اچھا، عمدہ، جوان، نشوونما یافتہ لڑکا ۔ دوسری جگہ غُلٰمًا زَكِيًّا (۱۹/۱۹) آیا ہے ۔ سورۃ الشمس میں زَكّٰهَا کے مقابلہ میں دَسّٰهَا کا لفظ آیا ہے (۹۱/۹۔۱۰) ۔ تَدْسِيَةٌ کے معنے ہوتے ہیں دبا دینا ۔ کسی کو زندہ دفن کر دینا (۱۶/۵۹) ۔ اُسکی نشوونما کو روک دینا ۔ لہذا تَزْكِيَةٌ کے معنے ہونگے ان تمام موانع کو دور کرکے جو کسی کی راہ میں حائل ہوں، اسکی نشوونما کیلئے حالات کو مساعد کرنا ۔

قرآن کریم میں اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ کے الفاظ بار بار آئے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآنی نظام کے یہی دو ستون ہیں ۔ اقامت صلٰوۃ کے مفہوم کے لئے (ص ۔ ل ۔ و کے عنوان میں) " صلٰوۃ " کا لفظ دیکھئے ۔ اس سے آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ اس سے مراد ہے ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا جس میں افراد معاشرہ، قوانین خداوندی کا اتباع کرتے، اپنی منزل مقصود تک جا پہنچیں ۔ اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم کا معاشرہ قائم کرنے سے مقصود کیا ہے؟ مقصود ہے " ایتائے زکٰوۃ " ۔ ایتاء کے معنی ہیں دینا ۔ اور (جیسا کہ آپ اوپر دیکھ چکے ہیں) زکٰوۃ کے معنی ہیں نشوونما ۔ یعنی نوع انسان کی نشوونما (Growth) یا (Development) کا سامان بہم پہنچانا ۔ اس " نشوونما " میں انسان کی طبعی زندگی کی پرورش اور اس کی ذات کی نشوونما، دونوں شامل ہیں ۔ سورۃ حج میں ہے کہ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ (۲۲/۴۱) ۔ " یہ (جماعت مومنین) وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں زمین میں اقتدار حاصل ہوگا تو یہ اقامت صلٰوۃ اور ایتائے زکٰوۃ کرینگے " ۔ یعنی اسلامی مملکت کا فریضہ " ایتائے زکٰوۃ " ہوگا ۔ یعنی دوسروں کو نشو و نما دینا ۔ اپنے افراد معاشرہ اور دیگر نوع انسان کی نشوونما کا سامان بہم پہنچانا ۔ اسی کے

** محیط ۔ نیز ابن فارس ۔

متعلق دوسرے مقام پر ہے کہ مومن وہ ہیں ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فَاعِلُوْنَ (۲۳/۴) جو زکٰوۃ (یعنی نوع انسان کی نشوونما) کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ مملکت اسلامی (یا نظام خداوندی) اپنے اس عظیم فریضہ (نوعِ انسان کو سامان نشوونما بہم پہنچانے کے فریضہ) کو سرانجام کسطرح سے دیگی؟ ظاہر ہے کہ اس مقصد کے لئے (اولاً) ذرائع پیداوار مملکت کی تحویل میں رہینگے تاکہ وہ رزق کی تقسیم لوگوں کی ضرورت کے مطابق کر سکے۔ اور (دوسرے یہ کہ) افراد معاشرہ جو کچھ کمائیں وہ اسے اسطرح کھلا رکھیں کہ مملکت اس میں سے جسقدر ضرورت سمجھے، "ایتائے زکٰوۃ"، (دوسروں کی نشوونما) کے لئے لے لے۔ اس مقصد کے لئے قرآن کریم نے نہ کوئی شرح مقرر کی ہے نہ نصاب۔ اس میں سوال ضرورت پوری کرنے کا ہے۔ حتکہ اس ضمن میں یہ بھی کہدیا کہ جو کچھ افراد کی ضروریات پورا ہونے کے بعد بچ جائے، عندالضرورت وہ سب کا سب مملکت کی تحویل میں لیا جا سکتا ہے۔ (دیکھئے ۲/۲۱۹)۔ اس نقطۂ نگاہ سے دیکھئے تو مملکت اسلامی کی تمام آمدنی "ایتائے زکٰوۃ"، کے مقصد کو پورا کرنے کا ذریعہ ہوگی۔

لیکن اس قسم کا اسلامی نظام، بتدریج قائم ہوگا۔ جس عرصہ میں یہ ہنوز زیر تشکیل ہوگا، اس میں جماعت کے افراد سے (آج کی اصطلاح میں) چندے اور عطیے لئے جائینگے۔ یا ہنگامی ٹیکس عائد کئے جائینگے۔ ان کے لئے قرآن کریم نے "صدقات"، کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ ہمارے ہاں عام طور پر "صدقات"، اور "زکٰوۃ" کو مرادف المعنی سمجھا جاتا ہے۔ حتکہ قرآن کریم نے "صدقات" کے خرچ کی جو مدات بتائی ہیں (۹/۶۰) انہیں بھی زکٰوۃ کے مصرف کی مدات سمجھا جاتا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے ان اصطلاحات کو الگ الگ مفہوم کے لئے استعمال کیا ہے۔

ان تصریحات سے یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں اسلامی نظام مملکت کے شعبے ہیں۔ انفرادی چیزیں نہیں ہیں۔ انفرادی طور پر انسان جو کچھ ضرورت مندوں کو دیگا وہ خیرات ہوگی۔ اسلامی نظام میں خیرات لینے یا دینے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی کیونکہ تمام ضرورت مندوں کی ضروریات زندگی کا پورا کرنا مملکت کا فریضہ قرار پا جاتا ہے۔ نیز یہ خیال بھی صحیح نہیں کہ جو کچھ حکومت لیتی ہے وہ مملکت کا ٹیکس ہوتا ہے، اور زکٰوۃ خدا کا ٹیکس ہے۔ "قیصر اور خدا" کی یہ تقسیم، عیسائیت کی ثنویت

(Dualism) کی پیدا کردہ ہے۔ اسلام میں اسکی قطعاً گنجائش نہیں۔ اسلام میں، جو مملکت قوانین خداوندی کو نافذ کرنے کے لئے قائم ہوتی ہے، اسے جو کچھ دیا جاتا ہے وہ خدا ہی کو دیا جاتا ہے۔ (ان امور کی وضاحت کے لئے عنوانات "ر۔ب۔ب"۔ "ن۔ف۔ق" اور "ص۔د۔ق" بھی دیکھئے)۔

سورۃ النجم میں ہے فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۔ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى (۵۳/۳۲)۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم خود ہی اپنے متعلق فیصلہ نہ کر لو کہ تمہارا تزکیہ نفس (ذات کی نشوونما) ہو رہا ہے۔ اس کے لئے معیار، خدا کا مقرر کردہ قانون ہے۔ اور وہ قانون یہ ہے کہ اَلَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی (۹۲/۱۸)۔ تزکیہ اس کا ہوتا ہے جو اپنے مال کو (نوع انسان کی پرورش کے لئے) دیتا ہے۔ یعنی مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی (۹۲/۵)۔ "جو دیتا ہے اور تقویٰ شعار بنتا ہے۔۔۔ اس کے لئے راستے آسان ہو جاتے ہیں (۹۲/۷)۔

ز ل ف

اَلزَّلَفُ والزُّلْفٰی والزُّلْفَةُ۔ قرب۔ درجہ و مرتبہ۔ اَلزُّلْفَةُ۔ شروع رات یا مطلقاً رات کا ایک حصہ (چھوٹا ہو یا بڑا)۔ جمع زُلَفٌ ہے۔ اَلْمَزَالِفُ۔ سیڑھیاں، جن سے انسان بلند بھی ہو جاتا ہے اور اپنی منزل سے قریب بھی۔ اس میں قرب اور مدارج دونوں آ جاتے ہیں (دَرَجَةٌ۔ بھی سیڑھی کو کہتے ہیں جو اوپر کی طرف لیجائے)۔ زَلَفَ اِلَیْهِ۔ وہ اس کی طرف قریب ہوا۔ اَزْلَفَهٗ اسے قریب کیا، اکٹھا کیا۔ ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنے کسی چیز سے قریب ہونے کے لئے آگے بڑھتے جانا بتائے ہیں*۔ راغب نے کہا ہے زُلَفٌ رات کی منزلوں کو کہتے ہیں**۔ صاحب کتاب الاشتقاق کے نزدیک اَلزُّلْفَةُ۔ منزل کو کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً (۶۷/۲۷)۔ "جب وہ اسے قریب دیکھینگے"۔ سورۃ سبا میں ہے تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰی (۳۴/۳۷) "جو مرتبہ میں تمہیں ہم سے قریب تر کر دے"۔ سورۃ شعراء میں ہے وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ (۲۶/۶۴) "اور ہم وہیں دوسروں کو قریب لے آئے"۔ سورۃ ہود میں ہے اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ (۱۱/۱۱۴) یعنی دن کے دونوں سرے اور رات کے کچھ حصے۔ (نیز دیکھئے عنوان د۔ل۔ک نیز ط۔ر۔ف)

---

*تاج۔ **راغب۔

ز ل ق

زَلِقَ - یَزْلَقُ - زَلَقَ - یَزْلُقُ - زَلَقًا - پھسل جانا - لغزش کھا جانا - اپنی جگہ سے ھٹ جانا - اَلزَّلَقُ - سپاٹ زمین جس پر قدم پھسل جائیں - جس پر کوئی پودا نہ ھو - اَلزَّلَقَةُ - چکنی چٹان-آئینہ* - سورۂ کہف میں ھے فَتُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا (۱۸/۴۰) - ''وہ صاف اور چکنا میدان رہ جائے جس میں کوئی سبزی وغیرہ نہ ھو'' - آئینہ کی طرح صاف اور چٹیل ھو جائے - اَزْلَقَ فُلَانًا بِبَصَرِہٖ - اس کی طرف بہت تیز (ناراضگی کی) نگاہ سے دیکھا - اس طرح گھور کر دیکھا گویا وہ آنکھوں آنکھوں ھی میں اسے اس کے مقام سے ھٹا دیگا* - سورۃ القلم میں کفار کے متعلق ھے لَیُزْلِقُوْنَکَ بِاَبْصَارِھِمْ (۶۸/۵۱) - ''وہ تمہیں اس طرح گھور کر دیکھتے ھیں گویا اپنی نگاھوں سے تجھے اپنے مقام سے پھسلا دینگے'' -

ز ل ل (زلزل)

زَلَّ - زَلِیْلٌ - مَزِلَّةٌ - پھسل جانا - لغزش کھا جانا - اَلْمَزِلَّةُ والمَزَلَّةُ - جس جگہ انسان پھسل جائے - اَزَلَّهٗ : اسے پھسلایا (۲/۳۶) - اَلزَّلَّةُ - لغزش کو کہتے ھیں - یعنی اپنی جگہ سے ھل جانا - چنانچہ قرآن کریم میں یہ لفظ ثَبَتَ کے مقابل میں آیا ھے (۱۶/۹۴) - ابن فارس نے کہا ھے کہ ھر وہ لفظ جس میں زاء کے بعد لام آتا ھو ، اُس کے بنیادی معنی ھٹنے کے ھوتے ھیں - گفتگو میں لغزش کر جانے یا اپنی رائے سے ھٹ جانے نیز غلطی کرنے کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ھوتا ھے - راغب نے کہا ھے کہ زَلَّةٌ - اُس لغزش کو کہتے ھیں جو بلا ارادہ سرزد ھو - اِسْتَزَلَّ کے معنے ھیں کسی کو اس کے مقام سے ھٹا دینے اور پھسلا دینے کا قصد و ارادہ کرنا (۳/۱۵۴) - زَلِیْلٌ کے معنے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ھو جانے کےبھی آتےھیں- قَوْسٌ زَلَّاءُ - وہ کمان جس سے تیر بڑی تیزی کے ساتھ نکل جائے -

زَلْزَلَةٌ کے معنے ھیں کسی چیز کو تیزی کے ساتھ حرکت دیکر ھلا دینا یا اس کی جگہ سے ھٹا دینا** - زَلْزَلَ - یُزَلْزِلُ - زَلْزَلَةٌ وَزِلْزَالًا - اسے ھلایا** - اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا (۹۹/۱) - ''جب زمین ھلا دی جائیگی جیسا کہ اس کا ھلانا (ھوگا)''

*تاج و محیط و راغب - **تاج -

ز ل م

اَلزُّلَمُ - اَلزَّلَمُ - تیر کی لکڑی جس کے پچھلے سرے میں پر نہ لگائے گئے ہوں - (جمع اَزْلاَمٌ) - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی دبلا پتلا اور سپاٹ یعنی ہموار اور چکنا ہونے کے ہیں - پھر اَزْلاَمٌ سے مراد وہ تیر تھے جن سے قریش زمانۂ جاہلیت میں فال نکالتے تھے - تفصیل یہ ہے کہ تین مذکورہ بالا قسم کے تیر تھیلے میں ڈال دئے جاتے - ان میں سے ایک پر اِفْعَلْ (کر) دوسرے پر لَا تَفْعَلْ (نہ کر) لکھ دیتے اور تیسرا خالی رہنے دیتے - جب کوئی شخص کسی معاملہ کا ارادہ کرتا تو وہ کعبہ کے پجاریوں کے پاس آتا اور ان سے کہتا کہ میرے لئے یہ کام کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں فال نکالو - چنانچہ وہ اپنے قاعدے کے مطابق تیر نکالتے اور تیر کی تحریر کے مطابق فال دیکھ کر اسے بتا دیتے - اگر خالی تیر آتا تو دوبارہ فال نکالتے - بعض لوگ خود بھی اپنے پاس اس قسم کے تیر رکھتے اور جہاں ضرورت پڑتی ان سے فال نکال لیتے* - اسی قسم کے تیروں سے قرعہ اندازی بھی ہوتی - اور (جوئے کے) جانوروں کا گوشت تقسیم کیا جاتا ($\frac{۵}{۳}$) - (قرعہ اندازی کے لئے عنوان ق - ل - م بھی دیکھئے) - قرآن کریم نے ان سب باتوں سے منع کر دیا - اس لئے کہ اس سے انسان اپنے اختیار کو چھوڑ کر جبر کا راستہ اختیار کر لیتا ہے اور بجائے اس کے کہ اپنی فہم و بصیرت سے کسی بات کا فیصلہ کرے اپنے آپ کو اتفاقات (Chances) کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے - اس سے وہ مقام انسانیت سے گر جاتا ہے - قرآن کریم انسان کی عقل و بصیرت کی تربیت کرتا اور اسے حریت و آزادی کی تعلیم دیتا ہے - اس لئے اس نے ان تمام باتوں سے منع کر دیا ہے جس سے اس کی عقل و خرد دب جائے اور حریت فکر و نظر سلب ہوجائے - وہ انسان کو پوری آزادی دیتا ہے کہ وہ حدود اللہ (قوانین خداوندی - قرآن کریم کے ضوابط) کے اندر رہتے ہوئے اپنے (انفرادی اور اجتماعی) امور کے فیصلے اپنی عقل و فکر سے کرے - یہ تھی قرآن کریم کی تعلیم - لیکن اب ہماری یہ حالت ہے کہ ہمارے ہاں فال لینا - قرعے ڈالنا ''استخارے کرنا'' (یعنی کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ تسبیح کے دانوں کے سپرد کر دینا) عام روش زندگی ہوگیا ہے - گری ہوئی قومیں اپنی قوت بازو ہی کو ترک نہیں کرتیں ، عقل و فکر کو بھی ساتھ ہی چھوڑ دیتی ہیں - اور اس کا خمیازہ بھگتتی ہیں - ایک مرد مومن اچھی طرح جانتا ہے

*تاج و محیط -

کہ خاک ِ زندہ ہوں میں تابع ستارہ نہیں - وہ اپنے آپ کو اتفاقات اور حوادث کے حوالے نہیں کرتا بلکہ اتفاقات اور حوادث کو اپنے پروگرام کے تابع لاتا ہے -

ز م ر

زَمْرٌ - آواز - اَلزَّمَّارَةُ و اَلْمِزْمَارُ - بانسری - زَمَرَ يَزْمُرُ و يَزْمِرُ زَمْرًا - بانسری بجانا -

اَلزُّمْرَةُ (جس کی جمع زُمَرٌ ہے) منتشر فوج اور جماعت - کیونکہ کوئی جماعت شور سے خالی نہیں ہوتی* - یا انہیں یک جا کرنے کے لئے عموماً بگل (یا صور) سے کام لیا جاتا ہے - راغب نے اس کے معنے تھوڑی سی جماعت کئے ہیں** -

قرآن کریم میں ہے وَ سِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا (۳۹/۷۱) - جنہوں نے انکار کی روش اختیار کر رکھی ہے انہیں جہنم کی طرف گروہ درگروہ لے جایا جائیگا - (زُمَرٌ کے لفظ سے چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے)** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دو ہوتے ہیں (۱) چیز کی کمی - اور (۲) آواز -

ز م ل

اَلزَّمِيْلُ - اونٹ پر بیٹھنے والا آدمی - نیز تمہارا رفیق سفر جو معاملات میں تمہاری مدد کرتا ہے - زَمَلَهٗ - يَزْمِلُهٗ - زَمْلًا - اس نے اسے اپنے پیچھے سوار کر لیا یا کجاوے میں اپنے ساتھ برابر کی جھولی میں بٹھا لیا - اَلزِّمْلُ - بوجھ - اس سے اِزْدَمَلَ الْحِمْلَ کے معنے ہیں اس نے ایک بار میں سارا بوجھ اٹھا لیا - اَلْمُزَامَلَةُ - اونٹ پر دونوں طرف ہموزن سواریوں کا بیٹھنا یا ہموزن بوجھ لادنا -

ایک اونٹ پر بالعموم دو سواریاں بیٹھتی ہیں - ایسے سفر میں سب سے اہم اور پہلا کام یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ ایک اونٹ پر ایسی دو سواریاں بٹھائی جائیں جو ہم وزن بھی ہوں اور ہم خیال بھی تاکہ ان دونوں میں طبعی اور ذہنی، دونوں انداز سے ہم آہنگی ہو - اگر ان کا وزن برابر نہ ہو تو سفر میں اونٹ کو اور خود سواریوں کو بھی تکلیف ہوگی - اور اگر وہ ہم خیال نہ ہوں تو یہ سفر، سَقَر (دوزخ) بن جائیگا - سب سے اچھا سالار ِ کارواں وہ ہوتا ہے جو زَمِيْلٌ چننے میں ماہر ہو -

*محیط و تاج - **راغب -

رسول اللہؐ کو جب وحی کے ذریعہ قرآنی نظام کا نقشہ سمجھا دیا گیا تو اس کے بعد ان کا سب سے اہم فریضہ یہ قرار پایا کہ وہ رفقائے کار کی تلاش کریں اور ان کے انتخاب میں زَمِیلَانَہ انداز اختیار کریں - اس لئے کہ ایسے عظیم پروگرام کی کامیابی کا راز رفقائے سفر کے صحیح انتخاب میں تھا - یہ تھا وہ فریضہ جس کی طرف آپ کی توجہ یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ (۷۳/۱) کہکر دلائی گئی - اس کے بعد جس قسم کی تَزْمِیْل رسول اللہؐ نے کی، دنیا کی تاریخ اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی -

اِزْدَمَلَ - تَزَمَّلَ و اِزَّمَّلَ فِیْ ثِیَابِہٖ - کے معنے یہ بھی ہوتے ہیں کہ وہ اپنے کپڑوں میں لپٹ گیا - اس اعتبار سے اَلْمُزَّمِّلُ اسے کہتے ہیں جو معاملات میں لا پرواہی برتے اور کاموں میں کوتاہی کرے** - ظاہر ہے کہ یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ میں اَلْمُزَّمِّلُ کے یہ معنے نہیں لئے جاسکتے، اگرچہ حیرت ہے کہ راغب جیسے بالغ نظر نے بھی لکھ دیا ہے کہ یہ لفظ استعارہ کے طور پر استعمال ہوا ہے اور کنایہ ہے کوتاہی کرنے والے اور معاملات میں لا پرواہی برتنے والے سے** - ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنی بوجھ اٹھالینے کے لکھے ہیں - اس کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ اَلزِّمِّیْلُ اس آدمی کو کہتے ہیں کہ جب کوئی مشکل معاملہ پیش آئے تو وہ اپنے بدن پر مزید کپڑے ڈال لے اور اس طرح کپڑوں کی گٹھڑی سی بن جائے اور اَلْمُزَامَلَۃُ کے معنی ہیں اونٹ کے دونوں طرف ہم وزن بوجھ لادنا - اس اعتبار سے اَلْمُزَّمِّلُ کا صحیح مفہوم یہی ہوگا کہ جو فریضہ تَزْمِیْل میں بہت زیادہ احتیاط برتے اور سرگرمی دکھائے - اَلزِّمْلُ بوجھ کو بھی کہتے ہیں اور اِزْدَمَلَ الْحِمْلَ کے معنے ہوتے ہیں اس نے سارے بوجھ کو ایک دم لاد دیا* - اس اعتبار سے مُزَّمِّلُ وہ ہوگا جو بارِ رسالت کو نہایت حسن و خوبی سے اٹھائے - کشاف میں عکرمہ کے حوالہ سے ہے کہ یاآیُّھَا الْمُزَّمِّلُ کے معنے ہیں اے امر عظیم اٹھالینے والے - تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس کا مطلب ہے نبوت اور اس کی ذمہ داریوں کا بار اٹھانے والے - تفسیر خازن نے بھی اسکی تائید کی ہے - تستری نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ اَلْمُزَّمِّلُ کے معنے ہیں وہ شخص جس نے اپنے آپ کو خدا کا ہم رنگ کر لیا ہو - یہ رفاقت کی انتہائی شکل ہے - تفسیر فتح القدیر (شوکانی) میں ہے کہ اس کے معنی مُزَّمِّلٌ بِالْقُرآن ہیں - یعنی قرآن کا بار اٹھانے والا - حامل قرآن - یہ معنی قرطبی نے بھی دئے ہیں اور کہا ہے کہ اسے حضرت ابن عباسؓ نے روایت

*تاج - **راغب -

کیا ہے۔ بہر حال، نبی اکرمؐ کو جو یَا اَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ کہکر پکارا گیا ہے تو اس میں حضورؐ کے عظیم القدر فرائض رسالت کی طرف اشارہ ہے جن کا مقصد جماعتِ مومنین کو ساتھ لیکر دنیا میں انقلاب عظیم برپا کرنا تھا۔

عام خیال یہ ہے کہ لفظ مُزَّمِّلٌ باب تَفَعُّل سے ہے۔ اصل اس کی مُتَزَمِّلٌ تھی۔

ز م ھ ر

اَلزَّمْهَرِيْرُ۔ سردی کی شدت۔ نیز چاند کو بھی کہتے ہیں *۔ اِزْمَهَرَّ الْيَوْمُ۔ دن سخت سرد ہو گیا۔ اِزْمَهَرَّ الْوَجْهُ۔ چہرہ بری طرح بگڑ گیا اور دانت دکھائی دینے لگے۔

قرآن کریم میں جنت کے متعلق ہے کہ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا (۷۶/۱۳)۔ اس میں نہ تو سخت گرمی ہوگی نہ سخت سردی۔ ویسے اَلْمُزْمَهِرُّ کے معنے ہیں ہنستے ہوئے دانتوں والا*۔ غالباً سردی سے دانت بجنے سے طنزاً لیا گیا ہے۔ لیکن ابن فارس نے کہا ہے '' ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ زَهْرٌ سے ہو جس میں میم زیادہ کر لی گئی ہو۔ زَهْرٌ کے معنی چمکنے کے ہوتے ہیں۔ اِزْمَهَرَّتِ الْكَوَاكِبُ۔ ستارے چمکے ''۔ جب سردی زیادہ ہو تو ستارے زیادہ روشن اور چمکدار ہوجاتے ہیں۔

زنجبیل

اَلزَّنْجَبِيْلُ۔ ادرک یا سونٹھ کو کہتے ہیں۔ عربوں کے ہاں یہ اعلٰی درجہ کی خوشبودار چیز شمار ہوتی تھی **۔ صاحب محیط کا خیال ہے کہ یہ فارسی لفظ شَنْكَبِيْلُ کا معرب ہے***۔ (یہ لفظ شَنْكَبِيْلُ نہیں بلکہ شنگویر ہے)۔

قرآن کریم میں ہے كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا (۷۶/۱۷) '' اسکی ملونی سونٹھ کی ہوگی ''۔ اسکے مفہوم کے لئے عنوان (م۔ز۔ج) دیکھئے۔

ز ن م

ابن فارس نے کہا ہے کہ زَنَمٌ کے بنیادی معنی کسی چیز کو کسی دوسری چیز کے ساتھ لٹکا دینے کے ہیں۔

* تاج و محیط۔ ** تاج۔ ***محیط۔

اَلزَّنِیْمُ ۔ وہ شخص جو کسی قبیلہ سے نسبی تعلق تو نہ رکھتا ہو لیکن اسکے ساتھ یونہی ملحق ہو* ۔ جیسے بکری کے گلے میں جونک کی طرح دو تھن سے لٹک رہے ہوتے ہیں جنہیں زَنَمَتَا الْعَنْزِ کہتے ہیں۔ عربوں میں نسب کو بڑی اہمیت حاصل تھی ۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص جس کا نسب کچھ اور ہو(یا معلوم ہی نہ ہو) اور وہ یونہی کسی قبیلہ کے ساتھ متمسک ہو جائے، وہ ذلیل اورکمینہ شمار ہوتا تھا۔ اسی لئے اَلزَّنِیْمُ کمینے آدمی کو کہتے تھے جو اپنی کمینگی اور شرارت میں بدنام ہو* ۔ اَلزَّنَمَۃُ ۔ ایک درخت جس پر پتے نہیں ہوتے* ۔ قرآن کریم میں زَنِیْمٌ کا لفظ ($\frac{68}{13}$) میں آیا ہے ۔

ز ن ی

زَنیٰ۔ یَزْنِیْ ۔ زِنیً و زِنَاءٌ ۔ اس نے بدکاری کی** ۔ بلا عقدِ معروف کسی سے جنسی اختلاط کیا ۔ قرآن کریم میں ہے وَلَا تَقْرَبُوْا الزِّنیٰ ($\frac{17}{32}$) ۔ '' زنا کے قریب تک بھی نہ جاؤ'' ۔ یعنے یہی نہیں کہ زنا نہ کرو بلکہ مبادیات زنا تک کے بھی پاس نہ جاؤ۔ سورۃ فرقان میں ہے وَلَا یَزْنُوْنَ ($\frac{25}{68}$) ۔ ''زنا نہیں کرتے'' ۔ اَلزَّانِیْ ۔ زنا کرنے والا مرد۔ اَلزَّانِیَۃُ ($\frac{24}{2}$) زنا کرنے والی عورت ۔ ان میں سے ہرایک کی سزا سو سو کوڑے ہیں ۔ ($\frac{24}{2}$)۔ البتہ اگر یہ جرم ایسی شادی شدہ عورت سے سرزد ہو جو پہلے لونڈی رہ چکی ہو (زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق ***) تو اس کی سزا اس سے نصف ہے ($\frac{4}{25}$) ۔ اس لئے کہ لونڈیوں کی پرورش اور ترتیب جس پست ماحول میں ہوتی تھی اس سے ان میں اس بلندیِ کردار کی توقع رکھنا جو بلند، شریف اور پاکیزہ ماحول میں پیدا ہوتا ہے، زیادتی تھی ۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ قرآن کریم انسان کی اضطراری کمزوریوں پر کسقدر نگاہ رکھتا ہے ۔

سنگساری (رجم) کی سزا قرآن کریم میں نہیں ۔

ہمارے زمانے میں اس مسئلہ پر بڑی تحقیق ہوئی ہے کہ جنسی تعلقات کا قوموں کے عروج و زوال پر کسقدر گہرا اثر پڑتا ہے اور جو قومیں مردوں اور عورتوں کی عفت کی پرواہ نہیں کرتیں وہ تہذیب و تمدن کی کس پست سطح پر آجاتی ہیں ۔ (اس مسئلہ سے دلچسپی رکھنے والے احباب میری کتاب سلیم کے نام خطوط، جلد سوم میں متعلقہ خط ملاحظہ فرمائیں) ۔

---

*تاج **تاج و راغب۔ *** قرآن کریم نے غلام اور لونڈیوں کے وجود (Institution) ہی کو ختم کر دیا ۔ تفصیل م ۔ ل ۔ ك کے عنوان میں ملیگی ۔

ز ھ د

زَھَدَ (فِیْ وعَنْ) یَزْھَدُ۔ زُھْدًا۔ بے رغبت ھونا *۔ کسی چیز سے اعراض برتنا اور اسے چھوڑ دینا*۔ اس سے فاعل زَاھِدٌ ھے۔ سورۃ یوسف میں ھے کہ اھل قافلہ نے حضرت یوسفؑ کو تھوڑی سی قیمت پر بیچ دیا۔ اس لئے کہ وَکَانُوْا فِیْہِ مِنَ الزَّاھِدِیْنَ (۱۲/۲۰)۔ وہ حضرت یوسفؑ میں کچھ زیادہ رغبت نہیں رکھتے تھے۔ اَلزَّھِیْدُ۔ قلیل اور حقیر*۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کی کمی کے ھیں۔ اَلزَّاھِدُ وَالزَّھِیْدُ۔ تنگ اخلاق آدمی۔ کم خور آدمی*۔ صاحب محیط نے لکھا ھے کہ زُھْدٌ دراصل کسی چیز کی طرف میلان چھوڑ دینے کو کہتے ھیں**۔

زُھْدٌ یا زاھد کا لفظ جن معنوں میں ھمارے ھاں استعمال ھوتا ھے قرآن کریم میں کہیں نہیں آیا۔ یہ تصوف کی اصطلاح ھے جس میں دنیا سے بے رغبتی کو بڑی فضیلت قرار دیا گیا ھے۔ یہ تصور قرآنی تعلیم کے خلاف ھے۔ (خود تصوف ھی اسلام کی سرزمین میں ایک اجنبی پودا ھے) قرآن کریم کی رو سے مومن کا فریضہ دنیا کی تسخیر ھے اور اسکی خوش گواریوں سے متمتع ھونا اس کا حق۔ قرآن کریم واضح الفاظ ھیں کہتا ھے کہ ” ان سے کہو کہ وہ کون ھے جو ان زینت کی چیزوں کو حرام قرار دے سکتا ھے جنہیں خدا نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کیا ھے “ (۷/۳۲)۔ مومن صرف ان چیزوں سے اجتناب کرتا ھے جن سے خدا نے روکا ھے۔ ان کے علاوہ، وہ دنیا کی ھر چیز سے فائدہ اٹھاتا اور انہیں اپنے کام میں لاتا ھے۔

ز ھ ر

اَلزَّھْرَۃُ۔ اَلزَّھَرَۃُ۔ پودا۔ پودے کا پھول۔ بعض نے کہا ھے کہ زَھْرَۃٌ صرف کھلے ھوئے پھول کو کہا جاتا ھے۔ اَلزَّھْرَۃُ مِنَ الدُّنْیَا۔ دنیا کی سرسبزی و تازگی۔ حسن و زیبائش۔ شگفتگی و شادابی۔ حاسان زیب و زینت۔ (۲۰/۱۳۱)۔ اَلزَّھْرَۃُ۔ سفیدی*۔ حسن۔ درخشندگی۔ اَلزَّھْرِیَّاتُ مِنَ الْاَیَّامِ۔ بہار کے دن**۔

ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی حسن۔ روشنی۔ اور صفائی پر دلالت کرتے ھیں۔

---

* تاج۔ ** محیط۔

ز ہ ق

زُھُوْق۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ اس کے اصل معنے دشواری کے ساتھ نکلنے کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ زَھَقَتِ النَّفْسُ کا مطلب یہ ہے کہ جان بمشکل نکلی *۔ اَلزَّاھِقُ۔ موٹے جانور کو کہتے ہیں جس میں گودا ہو **۔ نیز اس جانور کو بھی جو بہت لاغر ہو۔ اس طرح یہ لفظ اضداد میں سے ہے۔ اَلزَّھُوْقُ۔ گہرے کنویں کو بھی کہتے ہیں اور بلند پہاڑوں کے درمیانی راستے کو بھی **۔ لیکن تیزی سے ہو یا دشواری اور سستی سے، اسکے معنے کسی چیز کے نکل جانے کے ہوتے ہیں **۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی آگے بڑھنے۔ گزر جانے اور تجاوز کر جانے کے ہوتے ہیں۔ زَھَقَتِ الرَّاحِلَۃُ زُھُوْقًا۔ اونٹنی گھوڑوں سے آگے نکل گئی۔ زَھَقَ السَّھْمُ زُھُوْقًا۔ تیر نشانے سے آگے نکل گیا۔ زَھَقَتْ نَفْسُہٗ۔ اسکی جان نکل گئی **۔ تَزْھَقُ اَنْفُسُھُمْ ($\frac{9}{55}$)۔ "ان کی جانیں نکلیں"۔ اَلزَّاھِقُ۔ شکست خوردہ ادمی کو کہتے ہیں **۔ اَلْمُزْھَقُ مقتول کو کہتے ہیں۔ زَھَقَ الشَّیْءُ۔ کوئی چیز تباہ و برباد ہوئی، مضمحل ہوئی **۔

قرآن کریم میں باطل کے متعلق ہے فَاِذَا ھُوَ زَاھِقٌ ($\frac{21}{18}$)۔ ہر وہ نظریہ یا پروگرام جو حق کے خلاف، تخریبی نتائج کا حامل ہو، ناکام و نامراد رہتا ہے۔ مٹ جاتا ہے۔ شکست کھا جاتا ہے۔ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَھَقَ الْبَاطِلُ۔ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا ($\frac{17}{81}$) "اور کہو کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ باطل ہوتا ہی مٹنے والا ہے"۔ یہاں زَھُوْق کے معنے زَاھِق ہی ہیں، لیکن مبالغہ کے ساتھ۔ باطل اسوقت تک رہتا ہے جب تک حق (خدا کا تعمیری نتائج پیدا کرنے والا پروگرام) نہیں آتا۔ اس کے آنے سے باطل شکست کھا کر مٹ جاتا ہے۔ اس کے اندر حق کے سامنے ٹھہرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔ مزید تفصیل (ح۔ ق۔ ق) اور (ب۔ ط۔ ل) کے عنوانات میں دیکھئے۔

اَزْھَقْتُ الْاِنَاءَ کے معنے ہیں، میں نے برتن کو الٹ دیا **۔ اس سے بھی اس کے معنے واضح ہیں۔ راغب نے لکھا ہے کہ زَھَقَتْ نَفْسُہٗ کے معنی ہیں رنج و غم سے اسکی جان نکل گئی ***۔

ز و ج

زَوْجٌ۔ دو چیزیں جو ایک دوسرے کے مطابق ہوں (جیسے جوتے کے دونوں پاؤں)۔ یا ایک دوسرے کے مقابل ہوں (جیسے دن اور رات) وہ زَوْجَان

---

* محیط۔ ** تاج۔ *** راغب۔

کہلاتی ہیں ۔ اور ان میں سے ہر ایک ، دوسرے کی زَوْجٌ ہوتی ہے ۔ زَوْجٌ کے اصلی معنے جوڑ کے ہیں ۔ فَرْدٌ (اکیلا) کے خلاف ۔ لہذا زَوْجٌ اس فرد کو کہتے ہیں جس کا کوئی جوڑ (یا ساتھی) ہو ۔ خواہ اس کی مثل یا اسکے مقابل ۔ زَوَّجَ الشَّیْءَ بِالشَّیْءِ کے معنے ہیں اس نے ایک چیز کو اس جیسی چیز کے ساتھ ملا دیا (باندھ دیا) ۔ وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ (۸۱/۷) کے معنے ہیں جب ہر انسان اپنے ہمجماعت یا ہم مذاق کے ساتھ ملجائیگا ۔ اور زَوَّجْنَاهُمْ بِحُوْرٍ عِیْنٍ (۴۴/۵۴) کے معنے ہیں انہیں حور عین کے ساتھ ہم آہنگ کردیا جائیگا ۔ ساتھی بنا دیا جائیگا ۔ (حُوْرٌ کے معنے (ح ۔ و ۔ ر) کے عنوان کے تحت دیکھئے) ۔ اسی اعتبار سے ہر شے کے امثال و نظائر (یعنے ایک ہی قسم کی چیزوں کو) اَزْوَاجٌ کہتے ہیں* ۔ اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ (۳۷/۲۲) کے معنے ہیں ظلم کرنے والوں کو اور ان کی ہم کار پارٹیوں کو اکٹھا کرو ۔ (یعنے ان کے مثل و نظیر اور لوگوں کو جو ان جیسے ہیں) ۔ اسی طرح قرآن کریم میں اہل جنت کے متعلق مختلف مقامات میں آیا ہے کہ لَهُمْ فِیْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ (۲/۲۵) تو اس کے معنے نیک بیویاں ہی نہیں بلکہ اس کے معنے ہیں پاکیزہ خیالات رکھنے والے ہم مشرب ساتھی ۔ جنتی معاشرہ میں قلب ونگاہ کی پاکیزگی اور ہم آہنگی ہوتی ہے ۔ چونکہ اس معاشرہ میں مرد بھی ہونگے اور عورتیں بھی، اس لئے اَزْوَاجٌ میں میاں بیوی بھی شامل ہونگے۔ واضح رہے کہ جو جنتی معاشرہ دنیا میں قائم ہوگا اس میں میاں بیوی کے تعلقات میں افزائش نسل کا مقصد بھی شامل ہوگا ۔ لیکن جنتِ آخرت میں میاں بیوی کی مواصلت یا افزائش نسل کا تصور قرآن کریم سے نہیں ملتا ۔ لہذا وہاں کی (مردوں اور عورتوں کی) زوجیت ، یاھمی رفاقت (Companionship) کی ہوگی ۔ حقیقت یہ ہے کہ جنت آخرت کے متعلق جو کچھ قرآن کریم میں آیا ہے وہاں کی نعمتوں کا تمثیلی بیان ہے ۔ اسے یہاں کے اندازِ زیست پر قیاس نہیں کرنا چاہئے ۔ وہاں کی حقیقت کو ہم اپنے شعور کی موجودہ سطح پر سمجھ ہی نہیں سکتے ۔

انہی معانی کی بنا پر زَوْجٌ ۔ ہر شے کی قسم اور نوع و صنف (Species) کو کہتے ہیں* ۔ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ (۲۰/۱۳۱) کے معنے ہیں قسم قسم کے ایک دوسرے سے ملتے جلتے لوگ ۔ یا طرح طرح کی چیزیں جو ایک دوسرے سے مشابہ ہوں ۔ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِیْمٍ (۲۶/۷) کے معنے ہیں ہم نے زمین میں ہر عمدہ نوع کی کتنی چیزیں پیدا کی ہیں ۔ (ویسے

---

*تاج و محیط ۔ **راغب و لسان العرب ۔

نباتات میں نرو مادہ کا ہونا ثابت ہے اور بعض جمادات کے متعلق بھی ایسا خیال کیا جاتا ہے) - دوسری جگہ ہے - وَ آخَرُ مِنْ شَکْلِہٖ اَزْوَاجٌ (۳۸/۵۸) اس کے معنے ہیں اس کے علاوہ اسی قسم کی اور رنگا رنگ سزائیں - وَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ (۵۱/۴۹) کے معنے بھی یہی ہیں کہ ہم نے ہر نوع کی ایسی چیزیں تخلیق کی ہیں جو ایک دوسرے سے وابستہ اور ملتی جلتی ہیں - خواہ ایک دوسرے کے ہم رنگ ہوں اور خواہ ایک دوسرے کی ضد - مثلاً آسمان زَوْجٌ ہے زمین کا - سردی زَوْجٌ ہے گرمی کی - اور جوتے کا ایک پاؤں بھی زَوْجٌ ہے دوسرے پاؤں کا - زَوْجٌ کے معنے ایسے فرد کے بھی ہیں جس کا ساتھی یا نظیر و مثیل ہو - یعنی یہ لفظ دو ساتھیوں میں سے ہر ایک فرد کے لئے بھی اسی طرح مستعمل ہے جس طرح ان دونوں کے لئے - کبھی دونوں کے لئے زَوْجَانِ بھی بولتے ہیں* -

اِزْدَوَجَ - اور تَزَاوَجَ - وزن یا سجع بندی کے لئے کسی فقرے کے دو ٹکڑوں کو ایک دوسرے سے مشابہ کرنا ، یا دو قضیوں کا ایک دوسرے سے متعلق ہونا* - زَوْجٌ (جمع اَزْوَاجٌ) - رفیق - ایک دوسرے کے ساتھی* - زَوْجٌ (جمع اَزْوَاجٌ) کے معنے شوہر یا بیوی دونوں کے ہیں - شوہر بیوی کا زَوْجٌ ہوتا ہے اور بیوی شوہر کی زَوْجٌ** ان میں سے ایک دوسرے کی تکمیل کرتا ہے - اس کا نام ہے ازدواجی زندگی - قرآن کریم میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے - دیکھئے عنوان (ل-ب-س) (۱۳/۳۸) میں اَزْوَاجًا کے معنے بیویاں ہیں - تَزَوَّجْتُ اِمْرَاَۃً کے معنے ہیں ''میں نے ایک عورت سے شادی کی'' -

اگر یہ دیکھنا ہو کہ قرآن کریم کی رو سے ازدواجی زندگی کس قسم کی زندگی ہوتی ہے تو اسکے لئے صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہوگا کہ تَزَوَّجَہُ النَّوْمُ کے معنے ہیں نیند آنکھوں میں گھل مل گئی*** - لہذا میاں بیوی کی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے آنکھوں میں نیند گھل جائے - (نیز دیکھئے عنوان ، ن-ک-ح) - اس دنیا کے جنتی معاشرہ میں مردوں کے ساتھ عورتیں (بیویاں) بھی ہونگی لیکن وہ بھی قلب و نگاہ کی پاکیزگی کو لئے ہوئے ہونگی اور سفرِ زندگی میں ایک رفیق کی طرح ساتھ چلنے والیاں - قرآن کریم نے ان رفقائے حیات کی خصوصیات کا متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے - باقی رہی مرنے کے بعد کی جنت ، سو (جیسا کہ اجمالاً اوپر کہا گیا ہے اور تفصیلاً ج-ن-ن کے عنوان میں لکھا جا چکا ہے) ہم اپنے ادراک کی موجودہ سطح پر

*لین - ** لطائف اللغۃ *** تاج و محیط

اسکی کیفیات کا کچھ اندازہ نہیں لگا سکتے ۔ اسی لئے نہیں کہہ سکتے کہ وھاں کےساتھیوں کی کیسی کیفیت ہوگی ۔ لیکن اس حقیقت سے تو کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ہم رنگ اور ہم آہنگ ساتھی کا مل جانا ، جنت ہے ۔

ز و د

اَلزَّادُ ۔ موجودہ ضرورت سے زائد چیز کو کہتے ہیں جسے دوسرے وقت کے لئے سنبھال کر رکھ لیا جائے* ۔ نیز اس کے معنے کھانے کے ہیں خواہ سفر کا ہو یا حضر کا** ۔ بالخصوص وہ کھانا جو سفر کےلئے تیار کیا جائے ، توشہ*** ۔ اَلْمِزْوَدُ ۔ توشہ دان کو کہتے ہیں** ۔ زَوَّدْتُہٗ تَزْوِیْدًا ۔ میں نے اسے زاد راہ دیا ۔ تَزَوَّدَ : اس نے توشہ ساتھ لیا** ۔

قرآن کریم میں حج کے سلسلہ میں ہے وَ تَزَوَّدُوْا ($\frac{۲}{۱۹۷}$) ۔ جانے سے پہلے اپنے زاد سفر کا انتظام کرلیا کرو ۔ (یونہی اٹھکر نہ چل دیا کرو) اس لئے کہ فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی ($\frac{۲}{۱۹۷}$) ۔ جب تم زاد سفر لے کر چلوگے تو اس سے تم دوسروں کے دست نگر ہونے سے بچ جاؤگے ۔ ابن فارس نے خلیل کے حوالہ سے لکھا ہے کہ تَزَوَّدَ کے معنی کسی اچھی چیز کو ادھر سے ادھر لے جانا ہیں ۔

ز و ر

اَلزَّوْرُ ۔ سینے کا بالائی حصہ جہاں سینے کی تمام ہڈیاں آکر مل جاتی ہیں ۔ جو شخص کسی کو ملنے کے لئے آتا ہو اسے بھی اَلزَّوْرُ کہتے ہیں ۔ زُرْتُہٗ ۔ میں نے اپنا سینہ اس کے سامنے کیا ، توجہ سے اس کا قصد کیا ، اس سے ملا ۔ اَلزَّوْرُ ۔ اَلزِّیَارَۃُ ۔ اَلْمَزَارُ ۔ ملاقات کرنا ۔ زیارت کرنا ۔ اَلزَّوَرُ ۔ سینے کا ٹیڑھا پن اور ایک طرف کو جھکا ہونا ۔ اَلْاَزْوَرُ ۔ وہ جس کے سینے میں ٹیڑھا پن ہو ۔ جو چلنے میں سینہ کو ایک طرف زیادہ جھکا کر چلتا ہو ۔ نیز کنکھیوں سے دیکھنے والے کو بھی کہتے ہیں ۔ اسی سے اس لفظ کے معنے ایک طرف جھک جانے کے آتے ہیں ۔ نیز سیدھے راستے سے ھٹ کر ایک طرف ہو جانے کے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی طرف جھک جانے اور ایک طرف کو ھٹ جانے کے ہیں ۔ سورۃ کہف میں ہے تَزٰوَرُ عَنْ کَھْفِھِمْ ($\frac{۱۸}{۱۷}$) ۔ "سورج ان کے غار سے ایک

*راغب ۔ **تاج ۔ ***ابن فارس ۔

طرف کو ھٹ کر نکل جاتا ہے'' ۔ زَوَّرَ عَنْہُ ۔ وہ اس سے ہٹ گیا ۔ اسی سے اَلزُّوْرُ جھوٹ کو کہتے ہیں ۔ حَبْلٌ لَہُ زُوْرٌ ۔ رسی جس میں ہٹ ہو* ۔ سورۃ حج میں ہے وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (۲۲/۳۰) ۔ اس کے عام معنے تو یہی ہیں کہ جھوٹی اور بناوٹی بات سے بچو ۔ لیکن اصل کے اعتبار سے اس کے معنے ہیں سیدھے راستے سے ہٹی ہوئی حرکت ۔ انسان کا ہر وہ قدم جو صراط مستقیم سے ہٹ کر کسی دوسری طرف جا پڑے، زُوْرٌ میں آجائیگا ۔ اسلام ، حرکت کا نام ہے ۔ یہ ایک تحریک ہے ۔ لیکن یہ حرکت بلاتعین منزل نہیں کہ جس طرف جی چاہا قدم اٹھا دیا ۔ یہ حرکت ہے ایک متعین منزل کی طرف ۔ اسلئے اس میں زُوْرٌ کا کوئی کام نہیں ۔ اس کی تشریح اگلی آیت نے کر دی جہاں فرمایا حُنَفَآءَ لِلّٰہِ (۲۲/۳۱) ۔ ہر طرف سے منہ موڑ کر اُس نصب العین کی طرف چلنا جو اللہ نے مقرر کیا ہے ۔ غَیْرَ مُشْرِکِیْنَ بِہٖ (۲۲/۳۱) ۔ اس میں کسی اور خیال ، جذبہ اور میلان کی آمیزش نہ کرنا ۔ اسی کو سورۃ فرقان میں ظُلْمًا وَّ زُوْرًا (۲۵/۴) کہا ہے ۔

کَلَامٌ مُزَوَّرٌ ۔ بنائی ہوئی اور جھوٹ کا ملمع کی ہوئی بات ۔ زَوَّرَ الشَّیْئَ کے معنے ہیں کسی بات میں جھوٹ ملا کر اسے مزین بنا دیا ۔ باب تفعیل کا ایک خاصہ سلب ماخذ بھی ہے ۔ اس لئے تَزْوِیْرٌ کے معنی زُوْرٌ کو دور کرنے کے بھی ہیں اس کو اصلاح کہتے ہیں ۔ ابن الاعرابی نے کہا ہے کہ کسی چیز کو سدھارنا ، خواہ وہ خیر ہو یا شر ، تَزْوِیْرٌ کہلائیگا** ۔ ملنے کے معنے میں یہ مادہ قرآن کریم میں (۱۰۲/۲) میں آیا ہے ۔ جہاں کہا ہے حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۔ یہاں تک کہ تم قبروں سے جا ملو ۔

زو ل (زی ل)

زَالَ ۔ یَزُوْلُ وَ یَزَالُ ۔ زَوَالاً ۔ کسی چیز کا جاتے رہنا ۔ تبدیل ہو جانا ۔ مضمحل ہو جانا ۔ ایک طرف ہٹ جانا ۔ دور ہو جانا ۔ جدا ہو جانا ۔ باز آ جانا ۔ قرآن کریم میں یہ لفظ اَمْسَکَ کے مقابلہ میں آیا ہے (۳۵/۴۱) جس کے معنے روکنے کے ہیں ۔ اِنَّ اللّٰہَ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۔ ''یقیناً اللہ (کا قانون) آسمانوں کو اور زمین کو روکے ہوئے ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ نہ جائیں ۔ الگ الگ نہ ہو جائیں'' ۔ زَیَّلَ ۔ الگ الگ کر دینا* ۔

*تاج و محیط و راغب ۔ **تاج ۔

لاَ یَزَالُوْنَ (۲/۲۱۷) ۔ وہ ہمیشہ اس حالت میں رہینگے ۔ کبھی باز نہیں آئینگے۔ فَزَیَّلْنَا بَیْنَهُمْ (۱۰/۲۸) ۔ ہم ان میں جدائی ڈال دینگے ۔ لَوْ تَزَیَّلُوْا (۴۸/۲۵) ۔ اگر وہ الگ الگ ہو جاتے ۔

راغب کا کہنا ہے کہ زَوَالٌ اس چیز کی حرکت کے لئے بولا جاتا ہے جو پہلے ثابت ہو اور بعد میں ثابت نہ رہی ہو*۔ (اپنی جگہ سے ہٹ گئی ہو)۔

ز ی ت

زَیْتٌ (۲۴/۳۵)۔ زیتون کا تیل ۔ زَیْتُوْنَةٌ (۲۴/۳۵)۔ زیتون کا ایک درخت ۔ یا اس کا ایک پھل **۔ (۶/۹۹)۔ اسے بڑا نفع بخش اور مفید درخت سمجھا جاتا ہے***۔

قرآن کریم میں ہے وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ (۹۵/۱-۳)۔ اس میں اَلزَّیْتُوْنُ۔ زیتا نام پہاڑی ہے جو فلسطین میں واقع ہے****۔ وہاں حضرت عیسیٰؑ مبعوث ہوئے تھے۔ اور اَلتِّیْنُ۔ حضرت نوحؑ کی بعثت کا مقام ہے۔ اللہ نے کہا ہے کہ حضرت نوحؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی دعوت ۔ اور حضرت موسیٰؑ اور محمد عربیؐ کی دعوت ۔ یہ سب آسمانی دعوتیں اس حقیقت کبریٰ کی شاہد ہیں کہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ ..... الخ (۹۵/۴-۶)۔

ز ی د

زَیْدٌ کے معنے ہیں نشوو نما پانا ۔ بڑھنا اور پھولنا پھلنا ۔ یعنے زیادہ ہونا ۔ نیز یہ متعدی بھی آتا ہے ۔ زَادَ اللّٰهُ خَیْرًا ۔ اور زَیَّدَهٗ کے معنی زیادہ دینا اور زیادہ کرنا ہیں **۔ اِزْدَادَ اِزْدِیَادًا ۔ زیادہ ہونا یا زیادہ کرنا (لازم و متعدی) ***۔

سورۃ رعد میں اِزْدِیَادٌ کے مقابل غَیْضٌ کا لفظ آیا ہے (۱۳/۸)۔ غَیْضٌ کے معنے کم ہوجانے یا اندر چلے جانے اور جذب ہو جانے کے ہیں۔ سورۃ یونس میں زِیَادَةٌ کا لفظ آیا ہے (۱۰/۲۶)۔ اور (۵۰/۳۵) میں مَزِیْدٌ ہے ۔ یعنی وہ اضافہ اور زائد چیز جو کسی چیز کے پورا ہونے کے بعد اس میں بڑھائی جائے ۔ سورۃ آل عمران میں ہے ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا (۳/۸۹)۔ اس کے معنے زیادہ ہونے ، بڑھ جانے کے ہیں ۔

---

* راغب ۔ ** تاج ۔ *** محیط ۔ **** لطائف اللغۃ نے اسے جبل الشام لکھا ہے ۔

سورة احزاب میں (حضرت) زَیْدٌ کا نام آیا ہے (۳۳/۳۷)۔ یہی ایک صحابیؓ ہیں جن کا نام قرآن میں آیا ہے۔ یہ حارثہ کے فرزند اور نبی اکرمؐ کے خادم اور محبوب متبنّی تھے جن سے آپؐ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کا نکاح کردیا تھا۔

الزّاد کے لئے عنوان "ز۔و۔د" دیکھئے۔

ز ی غ

زَاغَ۔ یَزِیْغُ۔ زَیْغاً۔ ایک طرف کو جھک جانا۔ زَاغَتِ الشَّمْسُ۔ سورج مائل بزوال ہوا*۔ راغب نے کہا ہے کہ اگرچہ زَالَ۔ مَالَ اور زَاغَ قریب قریب ایک ہی مفہوم کو ادا کرتے ہیں لیکن زَاغَ صرف اس ہٹ جانے اور جھک جانے کو کہتے ہیں جو حق سے باطل کی طرف ہو*۔ صاحب محیط نے کلیات کے حوالے سے لکھا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں زَیْغٌ کا لفظ آیا ہے اسکے معنے ایک طرف جھک جانے کے ہیں سوائے زَاغَتِ الْاَبْصَارُ کے کہ اسمیں نگاہوں کے اوپر اٹھے یا کھلے رہ جانے کے معنے ہیں**۔

قرآن کریم میں ہے فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (۶۱/۵)۔ جب وہ صحیح راستے سے ہٹ گئے تو خدا کے قانون مکافات نے ان کے دلوں کو اُسی طرف جھکا دیا۔

یہ آیت قرآنی تعلیم کی ایک عظیم حقیقت کی پردہ کشائی کرتی ہے۔ عام طور پر سمجھا اور کہا جاتا ہے کہ ہدایت اور ضلالت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جسے چاہے ہدایت دیدے اور جسے چاہے گمراہ کردے۔ اس نے جنہیں گمراہ کرنا ہوتا ہے ان کے دلوں پر مہریں لگا دیتا ہے۔ (وغیرہ وغیرہ)۔ یہ تصور قرآن کریم کی تعلیم اور خدا کے قانون مکافات عمل کے یکسر خلاف ہے۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ انسان کو صاحب اختیار وارادہ پیدا کیا گیا ہے۔ وہ اپنے متعلق خود فیصلہ کرتا ہے کہ اسے سیدھے راستے پر چلنا چاہیئے یا کجروی اختیار کرنی چاہیئے۔ جس قسم کا وہ فیصلہ کرتا ہے اسی قسم کا خدا کا قانون اس پر نافذ ہو جاتا ہے۔ وہ اگر کجروی اختیار کرتا ہے تو اس کی ساری قوتیں اور صلاحیتیں غلط طریق پر چل کر ضائع ہو جاتی ہیں۔ دوسرے مقام پر ہے یُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ (۵۱/۸) "حق سے اس کو پھرایا جاتا ہے جو خود اس سے پھرنا چاہتا ہے"۔ خدا کا قانون یہ نہیں کہ ایک شخص حق سے پھرنا چاہتا ہے لیکن خدا اسے زبردستی حق پر قائم رکھتا ہے۔ یا

* تاج۔ ** محیط۔

ایک شخص حق پر قائم رہنا چاہتا ہے اور خدا اسے حق سے پھرا دیتا ہے۔ حق سے اسی کو پھرایا جاتا ہے جو خود اس سے پھرنا چاہے۔ دل انہی کے ٹیڑھے ہوتے ہیں جو خود ٹیڑھے راستے پر چلنا چاہتے ہیں۔ یہاں ابتداء کار (Initiative) انسان کے ہاتھ میں ہے۔خدا کا قانون اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ جیسا انسان کا فیصلہ، ویسا خدا کا قانون۔ اقبال کے الفاظ میں

خاک شو نذر ہوا سازد ترا   سنگ شو برشیشہ اندازد ترا

جیسا انسان خود، ویسا خدا کا قانون۔ آنکھیں بند کرلو، اندھیرا ہو جائے گا۔ کھول لو، نظر آنے لگ جائیگا۔

سورۃ النجم میں نبی اکرمؐ کے متعلق ہے مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (۵۳/۱۷) "نہ تو آپکی نگاہ، حقیقت سے کسی اور طرف کو ہٹی اور نہ ہی حد سے تجاوز کر گئی"۔ مَاطَغٰی نے اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ اگرچہ دوسرے انسانوں کے مقابلہ میں رسولؐ کا علم (وحی) بہت وسیع ہوتا ہے لیکن علم خداوندی کے مقابلہ میں اس کا علم بھی محدود ہوتا ہے۔جو حد خدا نے اس کے لئے مقرر کر دی ہے وہ اس سے آگے نہیں جا سکتا۔سورۃ سبأ میں ہے وَمَنْ یَّزِغْ مِنْھُمْ عَنْ اَمْرِنَا (۳۴/۱۲)۔ یہاں اسکے معنے حکم سے پھرنے یا حکم عدولی کرنے کے ہیں۔

عذاب کے وقت افراتفری کے سلسلہ میں زَاغَتِ الْاَبْصَارُ کے الفاظ آئے ہیں (۳۳/۱۰)۔اس کے یا تو یہ معنے ہیں کہ خوف کے وقت نگاہیں ایک مقام پر جمی نہیں رہتیں بلکہ ادھر اُدھر ہٹ جاتی ہیں۔اور یا (جیسا کہ صاحب محیط نے لکھا ہے) اسکے معنے یہ ہیں کہ نگاہیں اوپر کو اٹھی کی اٹھی رہ گئیں۔ بہرحال مقصد خوف و ہراس کی کیفیت بیان کرنا ہے۔

کسی کی طرف سے نگاہیں پھر جانے کیلئے یہ الفاظ (۳۸/۶۳) میں آئے ہیں۔اور زَیْغٌ بمعنی کجی، باطل کی طرف جھکاؤ، کجروی، (۳/۹) میں۔ یعنی قرآنی تعلیم کے نقطۂ ماسکہ پر مرتکز رہنے کے بجائے، ادھر اُدھر ہٹ جانا۔ کسی اور طرف نکل جانا۔ اپنے میلانات اور رجحانات کے پیچھے چلے جانا۔یہ روش زندگی بڑی تباہ کن ہے۔ صحیح روش یہ ہے کہ ہمارے قلبی اور ذہنی میلانات و عواطف کا تقاضا کچھ ہی کیوں نہ ہو ہمیں قرآن کریم کے مرکز سے ادھر ادھر کبھی نہیں ہٹنا چاہیئے۔حق وہی ہے جو قرآن کریم کہتا ہے۔نہ کہ وہ جو ہمارے جذبات و میلانات چاہتے ہیں۔جو شخص پہلے سے کچھ خیالات یا عقائد ذہن میں رکھ کر قرآن کریم کی طرف اس مقصد سے جائے کہ قرآن کریم سے ان عقائد کی تائید حاصل کرے (خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہوں) اسے قرآن کریم سے کبھی صحیح راہ نمائی نہیں مل سکتی۔

قرآن کریم سے صحیح راہ نمائی حاصل کرنے کے لئے ادراک کا بے رنگ ہونا نہایت ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے زَیْغٌ کو ہدایت کی ضد قرار دیا ہے (۳/۷)۔ (مزید تشریح ح۔ک۔م کے عنوان میں مُحْکَمٰتٌ کے تحت دیکھئے)۔

ز ی ل

دیکھئے عنوان ''ز۔و۔ل''۔

ز ی ن

اَلزِّیْنَۃُ۔ وہ چیز جس سے آرائش کی جائے۔ بعض نے کہا ہے کہ خود کسی چیز کا نگاہ میں حسین معلوم ہونا بھی زینت کہلاتا ہے۔ زَیَّنَ۔ کسی چیز کو آراستہ کرنا۔ کسی چیز (یا بات) کو خوشنما بنا کر دکھانا*۔ ابلیس نے کہا تھا کہ لَاُزَیِّنَنَّ لَھُمْ فِی الْاَرْضِ (۱۵/۳۹)۔ میں (انسان کو) اسکی طبعی زندگی (حیات ارضی) اسقدر خوشنما بنا کر دکھاؤنگا کہ یہ اسی کو نصب العین حیات بنا کر بیٹھ جائیگا۔ یعنی اسکا تصور حیات بالکل مادہ پرستانہ (Materialistic) ہو جائیگا۔ اِزَّیَّنَ۔ آراستہ پیراستہ ہونا۔ مزین ہونا۔ (۱۰/۲۴)۔ یَوْمُ الزِّیْنَۃِ (۲۰/۵۹) بناؤ سنگھار کا دن۔ تہوار۔ روز جشن۔ قصہ بنی اسرائیل میں ایک جگہ اَوْزَارًا مِّنْ زِیْنَۃِ الْقَوْمِ (۲۰/۸۷) آیا ہے۔ یعنی وہ چیزیں جن سے وہ قوم اپنی آرائش کرتی تھی۔ دوسری جگہ اسی کو حُلِیِّھِمْ (۷/۱۴۸) کہا گیا ہے۔ یعنے ان کے زیورات۔

قرآن کریم، صرف زندگی کا افادی پہلو (Utilitarian Aspect) ہی سامنے نہیں رکھتا بلکہ جمالیاتی پہلو (Aesthetic Aspect) بھی پیش نظر رکھتا ہے۔ اسلئے وہ انسان کو نہ صرف اجازت دیتا ہے کہ وہ زیبائش و آرائش کی چیزوں سے اپنے اور کائنات کے حسن میں اضافہ کرے بلکہ اسکا حکم دیتا ہے کہ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (۷/۳۱)۔ ہماری اطاعت گزاریوں میں حسن و زینت کو اختیار کرو۔ جو لوگ زندگی کے جمالیاتی پہلو کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ان کے متعلق بڑی سختی سے کہتا ہے کہ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ (۷/۳۲)۔ ان سے کہو کہ زیبائش و آرائش کی جن چیزوں کو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے وہ کون ہے جو انہیں حرام قرار دے سکتا ہے؟ اس نے زیبائش و آرائش کی چیزوں کو کسی خاص دائرہ کے اندر محدود نہیں کیا، بلکہ فرمایا کہ

---

* تاج۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا (۱۸/۷)۔ جو کچھ زمین میں ہے سب اسکے لئے وجہ زینت ہے ۔ اسلئے زمین میں جوکچھ بھی زینت وآرائش کا سامان ہے ، سب انسان کے حسن و زیبائش کے لئے ہے ۔ کسی چیز کی ممانعت نہیں۔ البتہ اس اہم حقیقت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ یہی چیزیں زندگی کا نصب العین نہیں بن جانی چاہئیں (۱۸/۴۶) ۔ انہیں اصل نصب العین کے حصول میں مددگار کے طور پر استعمال کرنا چاہیئے ۔ یا یوں سمجھئے کہ دنیوی متاع حیات اور زیب و زینت کی اشیاء سے متمتع ہونے کی ممانعت نہیں لیکن جب کبھی ایسا ہو کہ ان چیزوں میں اور قرآن کی متعین کردہ حدود اور اقدار میں ٹکراؤ ہو، اُسوقت ان چیزوں کو، ان اقدار کے تحفظ کی خاطر قربان کر دینا ہوگا۔ یہی دین کا مغز اور قرآنی تعلیم کا ماحصل ہے ۔

قرآن کریم میں (پردے کے احکام کے سلسلہ میں) کہا گیا ہے کہ مرد اور عورتیں جب باہر نکلیں تو اپنی نگاہوں کو بیباک نہ ہونے دیں (۲۴/۳۰)۔ اور عورتیں لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا (۲۴/۳۱) اپنی زینت کی چیزوں کو نمایاں نہ کریں ، ہاں جو ان میں سے خود بخود ظاہر ہو جائیں (تو اس کا مضائقہ نہیں) ۔ یہاں زینت سے مراد وہ چیزیں ہیں جن سے عورتیں اپنا بناؤ سنگار کرتی ہیں ۔ مثلاً زیورات وغیرہ ۔ اسکی تائید اگلے الفاظ سے ہوجاتی ہے ،جہاں کہا گیا ہے کہ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ (۲۴/۳۱) ۔ وہ اپنے پاؤں کو اسطرح زمین پر نہ ماریں کہ جو کچھ وہ اپنی زینت میں سے چھپائے ہوئے ہیں وہ ظاہر ہو جائے ۔ پاؤں کو زور سے زمین پر مارنے سے ، چھپے ہوئے زیور (جھانجھن یا چھاگل وغیرہ) کی آواز نمایاں ہو جاتی ہے ۔ باقی رہی جسم کے اوپر کے حصہ کی اشیائے زینت ، سو اس کیلئے کہدیا کہ وہ اپنی اوڑھنیاں سینوں پر ڈال لیا کریں (۲۴/۳۱) یا جلباب اوڑھ لیا کریں (۳۳/۵۹) ۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اشیائے زینت کی نمائش نہ کرتی پھریں ۔ البتہ افراد خاندان کے سامنے ان کی نمائش کر لیں تو اس میں ہرج کی بات نہیں (۲۴/۳۱)۔ اس فہرست پر نگاہ ڈالنے سے یہ حقیقت واضح ہوجائیگی کہ قرآن کریم اس باب میں بھی کہاں تک احتیاط برتتا ہے۔

جنسی جذبہ (بھوک اور پیاس کی قسم کا جذبہ) نہیں جو از خود بیدار ہو جائے ۔ یہ جذبہ بیدار کرنے سے بیدار ہوتا ہے ۔ قرآن کریم ان اسباب وذرائع کی نگرانی کرتا ہے جو اس جذبہ کی بیداری کے محرک بن سکتے ہیں ۔ عورت کیطرف سے غیروں کے سامنے نمود حسن یا اظہار زینت ، سب سے بڑا محرک ہے ۔ قرآن کریم اس پر پابندی عائد کرتا ہے ۔